قسط اول

لکھنؤ کی کربلائیں

عالیجناب شیخ تصدق حسین صاحب حنفی ایڈوکیٹ لکھنؤ

لکھنؤ کی سب سے پہلی کربلا

کربلائے الماس علی خاں

نواب آصف الدولہ نے ۲۱ ستمبر ۱۷۹۷ء کو انتقال کیا اور ان کے بعد ان کے پسر متبنیٰ وزیر علی خاں چار ماہ پانچ یوم برسر حکومت رہے جن کے نام پر محلہ وزیر گنج آباد کیا گیا تھا۔ پھر انگریزوں نے بعض وجوہ سے وزیر علی خاں کو معزول کر کے نواب سعادت علی خاں پسر نواب شجاع الدولہ کو بماہ جنوری ۱۷۹۸ء مسند نشین کرادیا۔

آغاز حکومت میں نواب سعادت علی خاں کئی برس تک راجہ ٹکیت رائے کی باغ موسومہ نشاط باغ میں رونق افروز ہوکر عروس عیش سے ہمکنار رہا کرتے تھے۔ اس وقت اہل لکھنؤ اپنے تعزیے یوم عاشور کو تالاب سپہ یا پڑایہ پر دفن کرتے تھے۔

ایک روز نواب سعادت علی خاں کی سواری بوقت صبح باغ ابنہ واقع موضع ہر چند پور کٹورہ یا گڑھی کٹورہ سے گذری اس وقت نسیم سحر کا چلنا، طائران خوش الحان کا فصل بہار میں ہر درخت کی شاخ پر چہکنا، سب کو بھلا معلوم ہوا۔ جناب عالی نے نواب قاسم علی خاں پسر نواب سالار جنگ برادر زادہ نواب بہو بیگم صاحبہ سے فرمایا اگر اہل شہر بجائے سپہ کے یہاں تعزیے دفن کیا کریں تو بہتر ہے۔ یہاں صحرائیت بہت زیادہ ہے۔ جنہوں نے باتفاق عرض کیا: سبحان اللہ، حضور نے کیا خوب جگہ تجویز فرمائی ہے وَاقعی عجیب تفریح کا مقام ہے۔ پس بموجب ارشاد نواب سعادت علی خاں پہلے نواب قاسم علی خاں نے چوبی جنگلہ کا ایک چھوٹا سا حصار بنوا کر وسط چبوترہ میں بہت سے تبرکاتِ مشاہدہ مقدسہ دفن کئے اور اپنی مجالس بھی وہیں کرنے لگے۔ خود مرثیہ پڑھتے تھے، مومنین کو پلاؤ تقسیم کرتے تھے۔ شہر کے قریب کے مواضعات محمد الماس علی خاں کی عملداری میں تھے، چنانچہ حسب الحکم نواب سعادت علی خاں پچاس بیگہ آراضی پختہ کا حصار کر کے ایک رقبۂ خاص علٰحدہ کیا، جس میں دو درجہ کا بہت بڑا دالان تخمیناً سو گز لمبا تعمیر کیا گیا۔ وسط دالان میں تعزیہ اور منبر رکھا گیا اور پہلو کا درجہ اولیٰ مستورات کے لئے اور درجۂ دوم مردوں کے لئے بنایا گیا۔

حاجی مسیتا داروغہ تعمیرات تھے۔ مٹی جو ایک مقام سے کھود کر گرد کی دیواریں وغیرہ بنائی گئیں تو وہ گڑھا مثل تال یا تالاب کے ہوگیا اس لئے اس کا نام کٹورہ رکھا۔ الماس علی خاں کے پہلے میاں حیدر بخش نے تالاب کے کنارے ایک بڑا کمرہ بنوایا۔ اب ہر مہینے نوچندی بھی وہیں ہونے لگی ہزار ہا مردوزن جمع ہونے لگے، پہلے نوچندی کالے پہاڑوں پر کنار شہر ناکہ بوعلی شاہ پر ہوتی تھی۔ اس طور پر کربلا الماس علی خاں سب سے پہلی کربلا تھی جو بعہد نواب سعادت علی خاں لکھنؤ میں تعمیر ہوئی اور کربلا تال کٹورہ درحقیقت یہی کربلا تھی مگر اب لوگ ناواقفیت سے کربلائے میر خدا بخش کو کربلائے تال کٹورہ کہنے لگے ہیں۔ حضرت محمد علی شاہ کے زمانہ میں اسی کربلا کی آراضی پر عظیم اللہ خاں اعظم الدولہ نے امام رضا علیہ السلام کے روضہ واقع مشہد مقدس کی شبیہ تیار کرائی۔

کربلائے الماس علی خاں کی تعمیر کے بعد لکھنؤ میں دوسری

کربلا اسی سے متصل حاجی مسیتا نے بنوائی، پھر تیسری کربلا میر خدا بخش نے ۱۲۳۲ھ میں کربلائے الماس علی خاں کے پاس بعہد دولت حضرت غازی الدین حیدر تعمیر کرائی۔

ماخوذ از ماہنامہ الواعظ لکھنؤ ذی قعدہ ۱۳۶۴ھ/اکتوبر ۱۹۴۵ء ص ۶ تا ۷

لکھنؤ کی دوسری کربلا

کربلائے حاجی مسیتا

جب الماس علی خاں کربلائے تال کٹورہ معرفت حاجی مسیتا تعمیر کرا چکے تو نواب سعادت علی خاں نے حاجی مسیتا سے فرمایا کہ تم بھی کربلا تعمیر کراؤ چنانچہ انھوں نے الماس علی خاں سے عرض کیا کہ میں بھی تعزیہ دار ہوں ایک احاطہ اس میں سے میرے لئے عنایت ہو۔ جب اجازت حاصل ہوگئی تو دوسرے احاطہ میں جانب جنوب جو شامل احاطۂ اول تھا انھوں نے اپنی کربلا تعمیر کرائی جو کربلائے میر خدا بخش کے جانب جنوب واقع تھی ولایتی محل نواب مخدرہ علیا کے بھائی نواب امیر مرزا خاں نے اسی کربلا میں اپنا امام باڑہ تعمیر کرایا تھا بعد انتقال وہ خود اور ان کے بیٹے نواب مہدی علی خاں عرف نواب منجھو صاحب ساکن گھسیاری منڈی جو عرصہ تک آنریری مجسٹریٹ رہے اسی کربلا میں دفن کئے گئے۔

راقم السطور نے اس کربلا کو ۱۹۳۲ء میں دیکھا تھا عمارت چاروں طرف سے کھلی ہوئی بارہ دری کی شکل کی تھی اور بالکل بے مرمت پڑی تھی بلکہ جابجا سے مع چھت کی ڈاٹ کے شق بھی ہوگئی تھی۔ گوشوں اور جدولوں میں آیات قرآنی مسالہ سے نہایت نستعلیق تحریر تھیں بنت اور رنگ آمیزی بھی نہایت دلکش تھی اس کربلا کی خاص طور سے قابل تذکرہ شئے ایک پورے قد کا بیٹھا ہوا چوبی اونٹ تھا جس کو کسی نہایت ہوشیار کاریگر نے اصل سے بالکل مشابہ کرکے بنایا تھا، اونٹ کے دونوں جانب کجاوے تھے اور پشت پر نہایت خوبصورت چوبی ضریح رکھی تھی۔

اب یہ عمارت بالکل منہدم ہوگئی۔ حاجی مسیتا ایک سنی المذہب کشمیری مسلمان تھے، ان کا سہ منزلہ مکان میر باقر سوداگر کے امام باڑہ کے سامنے جوہری محلہ میں تھا۔ اور اس سے متصل موجود چھت کے مقابل ایک چھتہ بھی تھا جو حاجی مستا چھتہ کہلاتا تھا اب نہ وہ مکان باقی ہے نہ وہ چھتہ ہے۔ حاجی مسیتا کے صرف ایک بیٹے میاں جعفر تھے جن کے دو بیٹے محسن علی اکرم علی تھے۔ ان دونوں نے لاولد انتقال کیا اس طور پر حاجی مسیتا کی نسل منقطع ہوکر ان کا گھر بالکل بے چراغ ہوگیا۔

ماخوذ از ماہنامہ الواعظ لکھنؤ ذی قعدہ ۱۳۶۴ھ/اکتوبر ۱۹۴۵ء ص ۷ تا ۸/

کربلا میر خدا بخش رح

تال کٹورے کی کربلا:۔ یہ کربلا شہر کی آبادی سے دور جانب مغربی و جنوبی گوشہ لکھنؤ موضع گڑھی کٹورہ میں واقع ہے، جس کو ہرچند پور کٹورہ بھی کہتے ہیں۔ اس کو بعہد دولت حضرت غازی الدین حیدر میر خدا بخش نے ۱۲۳۲ھ میں بنوایا تھا۔ اس کے قبل دو اور کربلائیں میاں الماس علی خاں اور حاجی مسیتا داروغہ تعمیرات نواب سعادت علی خاں بزمانہ فرمانروائے نواب سعادت علی خاں تعمیر کرا چکے تھے۔ اس طور پر یہ تیسری کربلا تھی، جو سرزمین لکھنؤ پر تعمیر ہوئی۔

داخلہ کا پھاٹک

کربلا میں داخلہ کے لئے تین بہت بلند ہم وضع پھاٹک مثل ترپولیہ جانب مشرق تعمیر ہیں، جن کے اوپر صحنچیاں بنی ہوئی ہیں۔ پھاٹک کے بیرونی پہلوؤں میں مسالہ سے کچھ نظمیں بھی لکھی گئی تھیں جو سفیدی پھر جانے سے اب پڑھی نہیں جاتیں۔ صدر پھاٹک کے اندر ایک وسیع صحن ہے، جس کے آخر میں جانبِ مغرب روضہ کی غلام گردش سے ملا ہوا مرزا محمد علی کیواں جاہ فرزند ملکۂ زمانیہ کا خوشنما اور عالیشان مقبرہ ہے، جس کے بازو میں جانبِ شمال ایک قناتی مسجد بھی بنی ہے۔ روضہ میں زائرین عموماً جنوب راستہ سے داخل ہوتے ہیں۔ اسی راستہ کے جانب جنوب میر خدا بخش کی بنوائی ہوئی ایک قناتی مسجد بھی ہے جس کے آگے جانب مغرب ایک کمرہ مع سبیل ہے جس کی بغل میں ایک تیسری

قناتی مسجد ہے۔ مشہور ہے کہ یہ کمرہ میر فضل علی اعتمادالدولہ وزیر اعظم شاہ نصیرالدین حیدر نے بخیال ادب واحترام کربلا حقہ نوشی کرنے کو تعمیر کروایا تھا۔ اس کے آگے چبوترہ پر سبیل رکھی جاتی تھی اور کمرہ سے متصل قناتی مسجد بھی موصوف ہی کی بنوائی ہوئی ہے۔ یہ کمرہ کسی صورت سے خیراتی زردوز کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ اس کے ورثاء نے اس کو رہن کر دیا۔ نیلام میں سید علی حیدر ولد سید شفیع حیدر علاقہ دار قیصر گنج، ضلع بہرائچ نے ساڑھے سات سو روپیہ کو خرید لیا اب اس کی حالت بہت نازک ہو رہی ہے۔

روضہ کے پختہ احاطہ میں داخل ہونے کے پانچ پھاٹک حسب ذیل ہیں۔

احاطہ پختہ میں داخل ہونے کے پھاٹک

(۱) و (۲) جنوبی سمت میں ''درحسینیہ'' معروف بہ زنجیری پھاٹک ہے۔ اسی پھاٹک کے جانب مغرب تخمیناً پچاس قدم پر ایک دوسرا پھاٹک ہے جو ''درحاجت'' کہلاتا ہے۔ (۳) مغرب کی طرف والا پھاٹک ''درقبلہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ (۴) جانب شمال جو در ہے وہ درعباسیہ کے نام سے مشہور ہے۔ (۵) جو دروازہ جانب مشرق ہے وہ ''در زینبیہ'' کے نام سے معروف ہے۔

پختہ چہار دیواری

روضہء کربلا کے چاروں طرف نہایت وسیع مستطیل صحن ہے جس کے ہر طرف غلام گردش اور داخلہ کے پھاٹک ہیں غلام گردش کی صحنچیوں کی پیشانی پر مسالہ سے آیاتِ قرآنی وادعیہ وغیرہ تحریر ہیں۔

روضہ کربلا

روضہء کربلا میں صرف ایک حجرہ ہے جس میں ضریح اقدس رکھی ہوئی ہے۔ اس کی چھت گول گنبد دار ہے، جس میں آیات وغیرہ بخطِ طغریٰ تحریر ہیں۔ دیواروں کی آرائشوں و زینت کے لئے مرقعے و شبیہیں آویزاں ہیں۔ روضہ کے باہر رواق کے شمال مشرقی گوشہ میں بانی کربلا میر خدا بخشؒ کا مدفن ہے، جس پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ ان کی قبر کے برابر ہی ان کے آقا و ولی نعمت میاں آفریں علی خاں بھی زیرِ خاک محوِ خواب ابدی ہیں۔ روضہ کے باہر آیات مسالہ سے تحریر ہیں مگر سفیدی پھر جانے سے صاف پڑھی نہیں جاتیں۔ روضہ کے بالائی حصے میں ایک سنہرا گنبد ہے جس کے آگے عراقی وضع کے دو گلدستے ہیں ان کی چوٹیوں پر بھی سنہری گمزیاں وکلسیاں ہیں روضہ کے جانب جنوب بھی عراقی وضع کا ایک بلند گلدستہ برائے اذان تعمیر ہے۔

تاریخ تعمیر کربلا

یہ کربلا جیسا کہ اوپر تحریر ہوا بزمانۂ نوابی بعہد حضرت غازی الدین حیدر ۱۲۳۲ھ میں تعمیر ہوئی۔ چنانچہ روضہ کے مغربی دروازہ پر حسب ذیل تاریخ تعمیر اور دیگر قطعات کندہ ہیں، جن سے کل واقعات آئینہ ہو جاتے ہیں۔

مقتلِ اطہر حسین شہید
شدہ تاریخ ایں خجستہ بنا
۱۲۳۲ھ

در زمانِ وزیر ابنِ وزیر
غازی الدین حیدر آصف جاہ
رفعت الدّولہ بحرِ جود و سخا
روز افزوں جلال او بادا

زیرِ ظلِّ حمایتش باشد
شد خدا بخش سیدش بانی
عزوجاہ آفریں علی خاں را
جاں نثارِ جنابِ آلِ عبا

ایوانِ اعتمادالدولہ

روضہ کے مغربی جانب سے بالکل چپ ''ایوان اعتمادالدولہ'' ہے۔ اعتمادالدولہ نے فتح گڈھ میں انتقال کیا۔ لاش بغرض تدفین لکھنؤ لائی گئی۔ اعتمادالدولہ نے مبلغ اسی ہزار روپئے فیض النساء بیگم اپنی پھوپھی کے پاس رکھا دیئے تھے تا کہ ان کے انتقال کے بعد موصوفہ روضہ کے مغرب جانب ان کو دفن کر کے اس پر ایک مقبرہ تعمیر کرا دیں۔ چنانچہ بموجب وصیت موصوفہ نے قطع اراضی متصل روضہ جانب مغرب بمعاوضہ مبلغ

چالیس ہزار روپے حاصل کر کے اس پر ایک عمارت بصرف تخمیناً چالیس ہزار روپئے تعمیر کرادی۔ جو ''ایوان اعتمادالدولہ کے نام سے مشہور ہے اس کا انتظام نواب اعتمادلدولہ کی ذریت ساکن شمس آباد کی طرف سے ہوتا ہے اور نواب مرحوم کے خاندان والوں کی قبروں کے لئے وقف ہے۔ ایوان کی شکل ایک طویل وعریض برآمدہ کی ایسی ہے جس میں آگے کی طرف تین پایہ ہیں اور دونوں طرف بغلوں میں برآمدے ہیں۔ اس کی چھت کو گول قالب دار بنا کر طغروں سے مزین کیا گیا ہے۔ بعض طغرے باہر کی جانب سپر سے مشابہ کر کے بنائے گئے ہیں، جن کا متن سیاہ اور حروف سفید ہیں اور متن کے حاشیوں پر سبز رنگ کی بیل و پتیاں بنائی گئی ہیں، جو دیکھنے میں نہایت بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ وسطی درجہ میں اعتمادالدولہ کی قبر ہے۔ ان کی قبر کے پہلو میں متصل آستانہ روضہ فیض النساء بیگم ان کی پھوپھی بھی مدفون ہیں۔ دوسری قابل تذکرہ قبر اعتمادالدولہ کی رفیقۂ حیات رجبی بیگم کی ہے۔ اعتمادالدولہ نے بتاریخ ۱۹ر شوال ۱۲۴۵ھ رحلت کی۔ ان کے سنہ وفات کی سنگی تختی پایہ ایوان میں نصب ہے، جس پر قطعۂ ذیل کندہ ہے۔

چو نواب اعتماد الدولہ جمجاہ
سپہرِ عدل وبحر جود و احساں
گل بستان احمد منصف عہد
زدنیارفت سوئے باغِ رضواں
بجنت گفت رضواں سال فوتش
بود محشور باشا و شہیداں
۱۲۴۵ھ

خیمہ گاہ

خیمہ گاہ کی عمارت غلام گردش کے باہر تھوڑے ہی فاصلہ پر شمالی مغربی گوشہ میں واقع ہے۔ اس میں ایک ہشت پہل گول کمرہ ہے، جس پر ایک بڑا سا گنبد ہے۔ کمرہ کے اندر ایک تعزیہ اور چوبی تابوت رکھا ہے۔ مشہور ہے کہ خیمہ گاہ کی عمارت اصل عمارت واقع کربلائے معلیٰ سے بہت مشابہ کر کے بنائی گئی ہے مگر رقبہ اور قدوقامت میں چھوٹی ہے۔

مقابر

پوری کربلا میں اندرو باہر کثرت قبور سے شہر خموشاں کا ایسا سماں ہے مگر کوئی میت بلا معاوضہ دفن نہیں ہونے پاتی۔ اس مد سے معقول آمدنی ورثاء کو ہوتی ہے۔ دولتمندوں کی قبریں جن کے ورثاء بڑی بڑی رقمیں معاوضہ میں دے سکتے ہیں۔ روضہ کے پختہ احاطہ یا صحنچیوں میں ہیں جو لمبے معاوضے دینے کی استطاعت نہیں رکھتے ان کی قبریں غلام گردش کے باہر احاطہ خام میں ہیں رقبہ پختہ یعنی غلام گردش کے اندر میتوں کو دفن کرنے کے لئے حسب ذیل معاوضہ دینا پڑتا ہے۔

اندرون صحنچی ہر چہار طرف	۱۲/۱۹ء
صحن شمالی	۱۰/۱۰۹
صحن غربی وجنوبی	۱۰/۲۱۰
صحن متصل زنانی ڈیوڑھی	۱۰/۱۵۹

رقبہ خام یعنی غلام گردش کے باہر دفن کرنے کے لئے حسب ذیل رقوم ادا کرنا ہوتی ہیں۔

رقبہ خام موسومہ چمن لیمو	۱۳/۱۴
پیش مسجد	۱۳/۲۵
زیر چبوترہ خیمہ گاہ وزیر چبوترہ کمرہ خیراتی متصل دروازہ باغ جدید	۱۳/۴۶

ماہ رجب وذی الحجہ کے نوچندی جمعہ کو اس کربلا میں پردہ کے ساتھ عورتوں کا کثیر مجمع ہوتا ہے اور آٹھویں ربیع الاول کو تو خصوصیت سے بڑا ہجوم ہوتا ہے۔ اس روز تخمیناً چالیس پچاس زنانے تابوت اٹھتے ہیں جو قتل گاہ سے لا کر روضہ میں بڑھا دیئے جاتے ہیں۔

سبب فروغ کربلائے میر خدابخش

زمانہ شاہی میں باشندگان لکھنؤ اپنی حسب مرضی کل کربلاؤں میں اپنے تعزیئے لے جاتے تھے۔ کسی کربلا کی قید نہ تھی مگر جب بعد ہنگامہ غدر ۱۸۵۷ء محرم کا زمانہ قریب آیا تو

گورنمنٹ انگلشیہ نے اعلان کردیا کہ کل تعزیئے صرف کربلائے میر خدابخشؒ میں جائیں، سب کربلاؤں میں مناسب انتظام نہیں ہوسکتا۔ یہی امر اس کربلا کے بے حد فروغ اور دوسری کربلاؤں کی بے رونقی کا باعث ہوگیا۔ (قیصر التواریخ جلد ۲، ص ۱۹۳)

پہلے اس کربلا میں عشرۂ محرم اور بیسیویں صفر کو بے پناہ مجمع ہوتا تھا۔

لوگ دور دور سے زیارت کو آتے تھے۔ شیعہ، سنی ہندو مسلمان سب اسی کربلا میں اپنے اپنے تعزیئے لے جاتے تھے۔ مگر ۱۹۰۷ء میں شیعہ، سنیوں میں بعض انتظامی امور پر نااتفاقی ہوگئی، جس پر سنیوں نے اپنی دوسری کربلا موسومہ ''پھول کٹورہ'' قصبہ کاکوری کے راستہ میں قائم کرلی۔ اس وقت سے صرف اہل تشیع کے تعزیئے اس کربلا میں جاتے ہیں۔

ماخوذ از ماہنامہ الواعظ لکھنؤ، ستمبر اکتوبر ۱۹۵۲ء / ذی الحجہ و محرم ۱۳۷۲ھ (ص / ۵۳ تا ۵۵)



غرض کہ جب معتمد الدولہ واپس ہوئے تو معتوب ہوکر اپنے ہی مکان میں زیر حراست کردئے گئے۔ حسن علی کپتان کی کمپنی تلنگہ پہرہ پر مقرر ہوئی۔ نواب کی جگہ پر قمر الدین خاں عرف مرزا حاجی میاں آفرین علی خاں مقرر ہوئے۔ آخر الذکر کے کارکن ان کے چیلے میر خدابخشؒ تھے جن کو آفرین علی خاں نے مثل فرزند کے پرورش کیا تھا۔

معتمد الدولہ کے مقید ہونے پر شہر میں مہاجنوں اور قرض خواہوں کا دفعتہ ہنگامہ برپا ہوگیا۔ نواب کے ظلم وستم کے متعدد استغاثے حضور میں گذرے اور بہت سی عرضیاں میر خدابخشؒ کار پرداز میاں آفرین علی خاں کی معرفت بھی آئیں۔ نواب کے مخالفین نے اپنے بیانات میں خوب نمک مرچ لگا کر جناب عالی کے شعلۂ غضب کو اور بھڑکا دیا چنانچہ موصوف نے حکم نافذ کردیا کہ نواب کا مال واسباب ضبط ونیلام کرکے قرض خواہوں کا مطالبہ بیباق کردیا جائے۔ ان کاروائیوں میں میر خدا بخشؒ نے بھی معقول حصہ لیا۔ آفرین علی خاں نے بخیال دوراندیشی ان کو منع کیا کہ ہمیں ان معاملات سے دور رہنا چاہئے۔ بڑے آدمیوں کے مزاج کا کچھ اعتبار نہیں، مبادا پھر نواب کو عروج ہوجائے، مگر انھوں نے ان کی فہمائش کی مطلق پرواہ نہ کی، اس کان سے سنی اس کان سے اڑادی۔ بہرحال یہ زمانہ ان دونوں کے لئے بہت سازگار تھا اور بقول سید کمال الدین حیدر دونوں کا دماغ کبر ونخوت سے عرش معلیٰ پر تھا۔ چنانچہ اکثر متوسلین ومشیران خاص نواب معتمد الدولہ نے اپنی جان ومال اور عزت کے خوف سے دورنگی پالیسی اختیار کی یعنی جان ودل سے تو معتمد الدولہ کے طرف دار تھے مگر ظاہری طور پر ان دونوں کے جان نثار بنے ہوئے تھے۔

اس جماعت میں سبحان علی خاں تاج الدین حسین خاں وغیرہ کا نام اول تھا مگر باوجود ثروت دنیا کے میر خدابخشؒ نے سلامت روی کی چال اختیار کی۔ لباس میں قدیم وضع کا جامہ استعمال کرتے تھے۔ اور سفید پوش تھے۔ میانہ میں سوار ہوتے تھے۔ سواری میں صرف ایک یا دو میواتی ساتھ ہوتے تھے۔ ان کے گھر کا دربار البتہ مثل وزراء کے ہوتا تھا۔ معتمد الدولہ کے جملہ اہل کار اور متوسلین حاضر ہوتے تھے مگر معتمد الدولہ نیلام مکان و مستغیثوں کی عرضیاں پیش کرنے کی وجہ سے میر خدابخشؒ کے لہو کے پیاسے ہوگئے تھے۔

سبب تعمیر کربلا

کربلا تعمیر کرانے کا سبب یہ ہوا کہ میر خدابخشؒ کی ایک خوردسال لڑکی کربلا میاں الماس علی خاں میں دفن ہوئی تھی، جو بزمانہ نواب سعادت علی خاں تعمیر ہوئی تھی۔ اسی کے ضمن میں میر موصوف نے ایک چھوٹی سی قناطی مسجد بنوادی تھی۔ عشرہ میں وہیں نماز اور اعمال عاشورہ کیا کرتے تھے۔ اعمال کے پڑھنے میں انھیں خیال آیا کہ لکھنؤ میں کئی کربلائیں برائے نام ہیں کسی نے اصل کربلا کے موافق نہیں بنوائی اگر میں بنواؤں تو بہت مناسب ہوگا۔ لیکن اگر اسی کربلا میں بنواتا ہوں تو مال غیر ہے اگر اس کے

سامنے کے وسیع میدان میں تعمیر ہوتو بہتر ہے۔اسی تصور میں باہر دروازہ تک آئے۔دروازہ کے قریب ایک باغ دیکھ کر اسے پسند کیا۔بعد دریافت معلوم ہوا کہ یہ حسن علی کپتان کے بٹالن کی چھاؤنی ہے۔ چنانچہ جب کپتان حاضر دربار ہوئے تو ان سے کربلا بنوانے کو زمین طلب کیا۔ وہ رضامند ہوگئے۔غرض تیس بیگہ پختہ آراضی کپتان سے لے کر تیرہویں رجب ۱۲۳۲ھ کو معرفت میر صادق علی زائرتعمیر شروع کی۔محرم تک بن کر تیار ہوگئی خلقت شہر جمع ہونے لگی۔اور نذر ومجالس شروع ہوئیں۔اکثر امراء اور شہزادے مع عیال آکر قیام کرتے تھے۔شب جمعہ وروز جمعہ کو خاص مجالس ہونے لگیں۔میر صاحب نے چاہا کہ جناب عالی سے اس کے مصارف کے لئے چند مواضعات معاف کرالئے جائیں۔اور حسینی بٹالین کی چھاؤنی بھی اس کے قریب ہو۔یہ خیالات دماغ میں گونج ہی رہے تھے کہ ان کی ثروت کا خاتمہ ہوگیا۔سید کمال الدین حیدر مصنف قیصر التواریخ میر خدا بخشؒ کے مذہبی غلو کا تذکرہ کرتے ہوئے جلد اول میں تحریر کرتے ہیں۔

''انہوں نے اکثر امور ابداعی اپنی ثروت میں کئے جن کو صاحبان فہم اور علماء دین اچھا نہ سمجھے بلکہ نامناسب شریعت عزائے احمدی جانا۔''

پھر اسی جلد کے ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

محرم میں تعزیہ داری بہت زور وشور وہنگامہ الفاظ جہال سے کی تھی بروز عشرۂ محرم قریب کربلا کشت وخون بھی ہوا تھا۔اسی جہت سے ایک پلٹن نجیب بحکم سرکار نوکر رکھی تھی جس میں سب شیعہ بھرتی ہوئے۔

معتمدالدولہ کا دوبارہ عروج اور میر خدا بخش کازوال

معتمدالدولہ ایک برس کئی مہینے اپنے گھر میں نظر بندر ہے۔ اس عرصہ میں جناب عالی کا غصہ دھیما پڑ گیا۔نواب نے بھی اپنی دادودہش سے بہت سے راستے اپنی رہائی کے لئے پیدا کئے۔ اہل کارانِ درباران کی زر پاشی سے بہت خوش ہوئے۔نواب کے جانی دشمن بھی آپس میں کہتے تھے کہ ابھی یہ فتنہ سورہا ہے جس دن بیدار ہوگا تو پھر اس کا سلانا مشکل پڑے گا۔لہٰذا بہتر ہے کہ وہ مع عیال قلعہ جلال آباد بھیج دیئے جائیں۔چنانچہ کئی مہینہ تک بار برداری کے لئے گاڑی چھکڑے نواب کے دروازے پر کھڑے رہے اور قلعہ جانے کا حکم بھی متواتر پہنچتا رہا۔

مختصر یہ کہ ایک روز حسن علی کپتان بحکم سرکار نواب کے پاس آئے اور حکم سرکاری سنایا۔نواب خود محل کے دروازے پر آکر کھڑے ہوئے۔حکم سن کر کہا کہ جناب عالی سے عرض کردو کہ میرا جانا مع عیال اس وقت تک نہ ہوگا جب تک سادات محبوسین کے واسطے طوق وزنجیر اور مستورات کے لئے اونٹ بے کجاوہ و محمل نہ آئیں گے۔اور اگر یہ پیام نہ پہنچایا تو یہ تلوار مجھ سے لو میرا سر کاٹ کر لے جاؤ مجھے یہی بڑا خلعت ملے گا۔

کپتان یہ گفتگو سن کر کانپ اٹھے۔اور جناب عالی سے کل واقعہ من وعن بیان کردیا۔انہوں نے سن کر دریافت فرمایا۔ اخراج شہر کا حکم کس نے دیا ہے؟اسی وقت داروغہ غلام حسین کو حکم دیا کہ تم جاؤ اور اپنی آنکھوں سے ان کا حال دیکھ کر مجھ سے بیان کرو۔

غلام حسین نواب کے بڑے ہواخواہ تھے۔جناب عالی کے پاس آکر کل حال خوب رنگ دے کر بیان کیا۔ادھر نواب نے فیض النساء مغلانی معلمہ پادشاہ بیگم صاحب محل خاص جناب عالی کو اپنی مادر مشفقہ بنایا تھا۔چنانچہ بیگم صاحبہ نے جناب عالی سے کہا کہ سید کے لئے یہ قید بالکل ناروا ہے، تمہیں کچھ خوف ان کے جدامجد کا نہیں ہے۔وہ تمہارا معتوب سہی مگر اپنے آقا مرشد زادہ کا تو وہ معتوب نہیں ہے۔لہٰذا اسے حکم ہوا کہ اپنے مالک کی خدمت میں آکر حاضر ہو۔غرض اجازت ہونے پر نواب در دولت جناب عالیہ پر حاضر ہوئے ۔ مرشد زادے مرزا نصیرالدین حیدر نے خلعت دوشالہ رومال دیا۔نواب کی روزمرہ کی آمدورفت شروع ہوگئی۔شہر میں ان کی رہائی کا غلغلہ ہوا۔ان

کے مخالفین کو پھر ان کی نیابت اور اپنے اوپر آفت آنے کا یقین ہو گیا۔ جناب عالی نے گورنر جنرل کو تحریر کیا کہ میں نے از راہِ چشم نمائی قلیل عرصہ کے لئے نواب کو نظر بند کر دیا تھا۔ بہ سبب اس کے کہ وہ میرا رفیق قدیم اور مزاج دان ہے، اب میں اسے پھر نیابت پر بحال کرتا ہوں۔ اس تحریر کا جواب حسبِ مراد آیا کہ آپ کو ان معاملات میں اختیار ہے مگر یہ مرحلہ بھی کئی مہینوں میں طے ہوا اس کے بعد نواب حاضر حضور ہوئے۔ خلعت نیابت پایا۔ محمد آفرین علی خاں اور مرزا حاجی کی مصاحبت ٹھنڈی پڑی۔ دونوں علت محاسبہ میں دھرے گئے۔ لاکھوں روپئے دونوں کے ذمہ باقی نکلے۔ آفرین علی خاں کی ساری آفت ان کے کارندہ میر خدا بخش پر آئی۔ وہ اشد مصائب سے قید ہوئے۔ طوق اور بیڑیاں پہنیں، بے حد رسوائی و بدنامی ہوئی۔ میاں آفرین سرجان شور گورنر جنرل کی سفارش سے اپنے گھر میں عزت و آبرو سے بیٹھے رہے۔ کئی مہینے کے بعد انہوں نے ۱۸۱۷ء یعنی ۱۲۳۳ھ میں انتقال کیا۔ کربلائے میر خدا بخشؒ کی مشرقی رواق میں مدفون ہوئے۔ کل اثاث البیت مع مکانات و آٹھ لاکھ روپیہ نقد اور جاگیر بدوسرائے ضبط سرکار ہوئی۔ راجہ بختاور سنگھ میاں آفرین کے جنازہ کے ساتھ بحکم سرکار آئے تھے۔ بعد تدفین جملہ اہل کاران میاں مرحوم کو مع میر خدا بخشؒ اپنے ساتھ لے گئے۔ میر خدا بخشؒ کو مقید کر کے دل کشا بھیجا۔ کئی دن تک عداوت سے ہلاہل نمک ڈال کر کھچڑی کھانے کو دی۔ میر موصوف افیم کے عادی تھے۔ وہ بھی روک دی۔ آخر بہ ہزار خرابی بحمایت صاحب ریزیڈنٹ قید سے گلوخلاصی ہوئی۔ ریزیڈنٹ کے دربار میں حاضر ہوتے تھے ڈالی میوہ تر و خشک ہر روز بڑے صاحب اور چھوٹے کو بھیجا کرتے تھے۔ کئی برس تک یہ صورت رہی۔ عملہ ریزیڈنسی کو بھی موافق کر لیا تھا۔ ان کی تنخواہ خزانہ جناب عالی سے جاری ہوئی تھی۔ مگر اسے بے ثبات سمجھ کر قبول نہ کیا۔ جو روپیہ مہاجنوں کے یہاں بطور امانت جمع تھا اس میں سے کچھ وصول ہوا کچھ باقی رہ گیا۔ ان کی نالش بھی نہ کر سکے۔ معتمد الدولہ کی معزولی کے بعد اعتماد الدولہ میر فضل علی وزیر ہو کر میر خدا بخشؒ کو اپنا نائب کرنا چاہتے تھے۔ مگر جس روز خلعت نیابت ملنے کی امید تھی اسی رات کو میر صاحب نے ۱۲۴۳ھ میں انتقال کیا۔ اور اپنی ہی کربلا میں آفرین علی خاں کے برابر دفن ہوئے۔ میر خدا بخشؒ کے صرف ایک بیٹے سید زین العابدین اور دو بیٹیاں تھیں۔ سید زین العابدین کے اکلوتے بیٹے سید حبیب اللہ تھے۔ بڑی بیٹی کی اولاد میں سید حبیب حیدر اور سید شفیع حیدر تھے۔ حبیب حیدر نے لاولد انتقال کیا۔ شفیع حیدر کی یادگار صرف ایک بیٹے سید علی حیدر تھے۔ جن کی اولاد سید وصی حیدر وغیرہ جرول میں موجود ہے۔ اس خاندان کے دیگر افراد جو اولاد دختری میں ہیں امروہہ، جرول، کنتور اور فیض آباد میں موجود ہیں۔

نوٹ:۔ میاں آفرین علی خاں نواب آصف الدولہ کے غلام تھے اور نمایاں ترقی کر کے بہت صاحب اثر ہو گئے تھے۔ عنایت باغ واقع گولا گنج جو بیلی گارد سے لے کر ملکہ زمانیہ کے امام باڑہ تک تھا اسی میں ان کا سکونتی مکان تھا۔ اب اس میں بھاٹیہ صحت گاہ ڈاکٹر رام لال چکرورتی کی کوٹھی ہے اور دوسری عمارتیں بن گئی ہیں۔ ایک محلہ بنام کوچۂ آفرین علی خاں بھی انہوں نے متصل چوک آباد کیا تھا۔ جس کا نام تبدیل ہو کر اب باگ ٹولہ ہو گیا ہے۔ ان کا ایک دوسرا وسیع باغ محبوب گنج میں بھی تھا۔ جو باواہزارا کے قبضہ میں چلا گیا تھا اور اب اس پر عمارتیں بن گئی ہیں۔ یہ معتمد الدولہ کے بدخواہ نہ تھے مگر ان کے حریف مرزا حاجی سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ اس لئے معتمد الدولہ کا دل ان سے صاف نہ تھا۔ دربار میں آنے کی ممانعت کر دی تھی۔ تاریخ وفات یہ ہے۔

چوں محمد آفریں رحلت ازیں عالم نمود
مدفنِ اوشد بخاکِ آستانِ شاہِ دیں
چوں نمودم فکر بہرِ سالِ تاریخ وفات
ہاتف گفتا کہ ہے ہے کرد رحلت آفریں

۱۲۳۳ھ

(ماخوذ از ماہنامہ الواعظ لکھنؤ صفر ۱۳۷۲ھ/نومبر ۱۹۵۲ء ص ۲۲/تا ۲۳/)

کربلائے عظیم اللہ خان لکھنؤ

اس کربلا میں عظیم اللہ خاں اعظم الدولہ نے متصل کربلائے میر خدا بخشؒ روضہ حضرت امام رضا علیہ السلام بعہد دولت حضرت محمد علی شاہ تعمیر کرایا تھا۔مشہور ہے کہ یہ روضہ اصل روضہ واقع مشہد مقدس سے بہت مشابہ ہے۔روضہ کے چاروں طرف غلام گردش ہے۔وسط صحن میں پچپیی کی طرح کی نہر ہے۔ روضہ میں مسالہ سے دلکش گلکاری کی گئی ہے۔جس کے جانب غرب ایک مسجد ہے اس کے صحن میں سنگی حوض ہے۔بعض مقامات سے عمارت شق ہوگئی ہے۔فرش میں مختلف رنگوں سے دیدہ زیب شطرنجی بنائی گئی ہے۔ایک درجہ میں چوبی ضریح اور منبر رکھا ہے۔اندرونی مسجد کے علاوہ ایک مسجد باہر بھی ہے۔اب پوری عمارت بوجہ بے مرمتی بہت خراب حالت میں ہے۔

عظیم اللہ خاں (اعظم الدولہ) اور میر امام علی (رفیق الدولہ) نصیر الدولہ تو نواب محمد علی خاں پسر نواب سعادت علی خاں کے قدیم رفیقوں اور غمگساروں میں تھے۔(قیصر التواریخ جلد اول)

عہد حکومت غازی الدین حیدر میں جو ۱۸۱۴ء سے لے کر ۱۸۲۷ء تک قائم رہا، جب اخراجاتِ سرکاری بہت بڑھ گئے نواب معتمد الدولہ آغا میر وزیر اعظم نے گورنر جنرل لارڈ مائرا کو ایک عریضہ ارسال کیا کہ بادشاہ کے بھائیوں کی تنخواہ ہزاروں روپیوں کی ہے اور بوجہ دیگر مصارف کثیرہ ان کو تنخواہ دینے میں دقت اور دیر ہوتی ہے جس سے ان کو شکایت کا موقع ملتا ہے لہٰذا بہتر ہوگا کہ ہر ایک کی تنخواہ نصف کردی جائے۔وہاں سے جواب آیا کہ امور خانگی میں آپ کو ہر طرح کا اختیار ہے ہماری اجازت کی ضرورت نہیں چنانچہ بادشاہ کے کل بھائیوں کی تنخواہ نصف کردی گئی مگر اس کی ادائی بھی برسوں میں ہوتی تھی۔اس سبب سے اکثر مرشدزادوں کو فاقہ کشی کی نوبت آجاتی تھی آخر تنگ ہوکر ایک روز نواب نصیر الدولہ مع سب بھائیوں کے رکٹس صاحب (Riekets) ریزیڈنٹ کے پاس داد خواہی چھاؤنی منڈیاؤں گئے مگر وہاں سے کورا جواب پاکر ناشاد و نامراد واپس آئے۔چونکہ نصیر الدولہ سب سے بڑے تھے فوج شاہی نے ان کے دولت خانہ کو گھیر لیا، ہر طرف توپیں لگادیں، جا بجا پہرے بٹھادیئے۔آمد و رفت بند کردی۔کئی دن تک یہ ہنگامہ برپا رہا۔ آخر عظیم اللہ خاں نے معرفت اعظم علی خاں کچھ دے کر تصفیہ کرلیا جس سے فی الجملہ عافیت پیدا ہوئی اس وقت سے عظیم اللہ خاں دربار نواب میں حاضر ہونے لگے اور ہر طرح خوشامد کرتے رہے۔

واقعات مرقومۂ بالا کو مولانا نجم الغنی نے تواریخ اودھ حصہ چہارم صفحہ ۱۶۴ میں بہت وضاحت سے بیان کیا ہے موصوف تحریر کرتے ہیں۔

نواب شمس الدولہ احمد علی خاں (پسر نواب سعادت علی خاں) بنارس چلے گئے تھے اس لئے وہ لکھنؤ کے مخمصوں سے آزاد تھے۔غازی الدین حیدر کے دوسرے بھائی جو یہاں موجود تھے ان کو معتمد الدولہ نے بہت دق کیا، ان کی تنخواہیں وقت پر ان کو وصول نہ ہوتی تھیں۔یہاں تک کہ متعدد بار بادشاہ سے عرض و معروض کی نوبت آئی اور ریزیڈنٹ نے بھی بادشاہ سے سفارش کی۔پہلے نصیر الدولہ جو بمقابلہ دوسرے بھائیوں کے بڑے تھے تنخواہ کے خواستگار ہوئے۔معتمد الدولہ نے عرض کیا اگر حساب بے حسابی کا نام ہے تو جو کچھ ارشاد ہو بجالاؤں اور اگر حساب چیز قابل شمار ہے تو نواب سعادت علی خاں کے خزانے کے کل کاغذات سے ثابت ہوتا ہے کہ نصیر الدولہ حساب مقدمات مالی و ملکی کے بالکل مالک تھے۔اور دیوانی اور دیہات خالصہ کے جملہ امور ان سے متعلق تھے۔شمس الدولہ کا صرف اخبار اور جرنیلی کے کام سے تعلق تھا۔اس کے قطع نظر رجوع مقدمات کے وقت عاملوں سے سالہا سال زر نقد جو ان کو دستیاب ہوا اس سے ان کا صاحب دولت و ثروت ہونا سب پر ظاہر ہے۔دولتمندی میں کوئی ان کا ہم پلہ نہیں ہے۔چوراسی لاکھ روپیہ نقد امانتاً ان کی تحویل میں جمع ہے۔اس کو منافع سمیت خزانہ عامرہ میں داخل کریں اس کے بعد تنخواہ کا حساب پیش فرمائیں۔

یہ پیچدار تقریر سن کر بادشاہ اور ریزیڈنٹ نے کہا بے شک زر امانت لے لینا چاہئے اور ان مفسدوں کو سزا دینی مناسب ہے۔ اسی وقت ایک توپ ،نجیبوں کے تمن اور تلنگوں کی کمپنی نے نصیرالدولہ کے دروزاہ پر پہنچ کر ان کو تاکید کی کہ نواب سعادت علی خاں کا زر امانت بادشاہی خزانہ میں داخل کردو اور ان کے تمام رفقاء کی آمد و رفت بند کردی عظیم اللہ خاں اور رحیم اللہ قوم حجام جو نصیرالدولہ کے رفیق اور مشیر تھے، ان کی طلبی کا حکم ہوا، اور عظیمن طوائف جو عظیم اللہ خاں کی آشنا تھی، اس کو بھی گرفتار کر کے بلوایا چوکی پہرے اس کے گھر پر بھی مامور کردیے عظیم اللہ نے عالم اضطراب میں سوائے رجوع ہونے کے اور کوئی چارہ نہ دیکھا اس لئے زر مذکور دینا ہی مناسب خیال کیا اور نصیرالدولہ بھی معتمدالدولہ کے پنجۂ غضب سے عظیم اللہ کی رہائی غنیمت سمجھے۔

اکتوبر ۱۸۳۷ء میں نصیرالدین حیدر کے انتقال کے بعد نصیرالدولہ محمد علی خاں تخت سلطنت پر جلوہ گر ہوئے تو خود محمد علی شاہ کا لقب اختیار کیا اور عظیم اللہ خاں کو ان کی دیرینہ خدمات اور اطاعت شعاری کے صلہ میں اعظم الدولہ خطاب اور دیوان خانہ عام کی داروغگی عطا کی۔ان کے پیش دست داروغہ عاشق علی ہوئے۔

اعظم الدولہ کی عادات واطوار (۱) کے متعلق سید کمال الدین حیدر تحریر کرتے ہیں ”وہ اپنے عیش دنیا، لباس، کھانے اور آراستگی مکان محض اپنی تن پروری میں رہے۔مگر مرنجاں مرنج کسی کو کوئی فائدہ بھی ان سے نہ ہوا کوئی رفیق خاص بھی نہ تھا“

راجہ درگا پرشاد بھی اعظم الدولہ کی سیرت و دیگر حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے بوستان اودھ میں تحریر کرتے ہیں۔

”عظیم اللہ خاں حجام بخطاب اعظم الدولہ مخاطب گشتہ۔دخل کلی بکاروبار سلطنت یافت او در نازک مزاجی و خوش وصفی و امارت مشہور دیار وامصار بود۔در تابستان خسخانہ اش را از کیورہ و گلاب تر می کردند۔ دیگر امارت او از یں جا قیاس تواں کرد۔ صحبت او بامنور الدولہ ترک روزگار کرد رخصت گرفتہ روانہ بیت اللہ شد۔

یعنی عظیم اللہ خاں حجام کو خطاب اعظم الدولہ عطا کیا۔کاروبار سلطنت میں ان کو پورا دخل تھا۔اس کی نازک مزاجی خوش وصفی اور دولتمندی دور دور مشہور تھی۔گرمی کے زمانہ میں اس کا خسخانہ کیوڑہ اور گلاب سے تر کیا جاتا تھا اس کے دوسرے امیرانہ ساز وسامان کا اسی بات سے اندازہ کرنا چاہئے۔اس سے اور منورالدولہ سے کبھی موافقت نہ ہوئی۔چونکہ بمقابلہ دوسروں کے وہ بادشاہ کے مزاج میں زیادہ دخیل تھا اور اس کا اقتدار بھی بے انتہا تھا، اسی سبب سے منورالدولہ ترک ملازمت کر کے بیت اللہ روانہ ہوگئے۔

عظیم اللہ خاں کی شکل وشباہت وسیرت کے بارے میں ان کے ہم عصر مرزا رجب علی بیگ سرور بھی فسانہ عبرت میں اپنے طرز خاص میں لکھتے ہیں۔

”پروردگار نے عجیب خلقت بنائی تھی۔صورت ایسی دیکھنے میں نہ آئی تھی۔لیکن ساز وسامان دنیا کا مہیا تھا۔فلک نے ایسی گردش دکھائی تھی۔دنیا کا چین خوب کیا، تانا شاہ کی طبیعت بنائی تھی۔اللہ کی قدرت ہے، محمد علی شاہ بایں فہم وفراست ایسے خود غلط ہوگئے۔جس کا ایک خط بنانے میں ہاتھ تھرائے وہ صاحب دستخط ہوجائے۔

راقم الحروف کی نظر سے ایک قلمی تصویر عظیم اللہ خاں کی

---

(۱) تواریخ اودھ مولانا نجم الغنی حصہ چہارم صفحہ ۱۵۲۔اعظم علی خاں ایک بازاری اور جاہل شخص تھا جو لڑکپن سے معتمدالدولہ کا رفیق تھا۔ جب معتمدالدولہ کو وزارت نصیب ہوئی تو کاغذ اور قلمدان اور نذر کی اشرفیاں اعظم علی کے ہاتھ میں رہنے لگیں۔ دوشالہ اور پوشاک وغیرہ انعام میں پاکر معتمدالدولہ کے مزاج میں بہت دخیل ہوگیا۔رفتہ رفتہ خفیہ امور کا رازدار ہوکر خزانہ اور توپخانہ وغیرہ کی افسری اس کو مل گئی۔اور جائز و ناجائز طریقہ سے اتنی کثیر دولت پیدا کی کہ کروڑپتی مشہور ہوگیا تھا۔اس کی عمارتیں بھی معتمدالدولہ کی عمارتوں کے برابر اسی شان سے تعمیر ہوئیں۔جس وقت سوار ہوتا تھا تو ہزار پانچ سو روپیہ فقیر فقراء کو تقسیم کردینا اس کے نزدیک ایک معمولی سی بات تھی۔ اس کے خدمتگار بھی قیمتی پوشاک سے آراستہ رہتے تھے اور ہزار ہا روپیہ رقص وطرب میں صرف کرتا تھا۔

گذری، جس میں چہرہ گول بھرا ہوا، رنگت سانولی مائل بہ تیرگی ہے۔ خط بنا ہوا، مونچھیں کتری ہوئی، آنکھیں بڑی، جسم کسی قدر گداز، گٹھا ہوا۔ سر پر لٹو دار پگڑی گلے میں جامہ دار کی کلی دار اچکن، کاندھے پر شالی رومال، پیروں میں غرارہ دار پائجامہ اور گھیتلہ جوتا ہے۔

۱۸۳۸ء/ ۱۲۵۳ھ میں محمد علی شاہ نے اپنا امام باڑہ حسین آباد بھی عظیم اللہ کے زیر اہتمام بنوایا تھا جیسا کہ قطعات ذیل سے ظاہر ہے جو امام باڑہ مذکور کے پھاٹک اول پر کندہ ہیں۔

قطعہ اول

فدوی خاص وامین و سرفروش و معتمد
جاں نثار بادشاہ کشور ہندوستاں
صاحب فہم و خلیق و عاقل و دانائے خلق
عاشق و شیدائے حضرت ہست بیشک بیگماں
روزو شب مصروف حکم شاہ می باشدبدل
جز بایں کارے ندارد ، ہیچ کاری در جہاں
نیست ایں تاریخ نادر مثل تاریخ دگر
واقعی صنعت بطرز نوشد از راقم عیاں
کم کن اول یک ہزارو دو صدو پنجاہ و چار
تاسنہ ہجری نماند اہل بینش رانہاں
از ترقی شد دوچنداں سال ایں تاریخ سعد
مہتمم بالطف حق بودہ عظیم اللہ خاں
بہر سال عیسوی در گوش ہوش سامعیں
از فلک آمد ندا نامی عظیم اللہ خاں
۱۸۳۸ء

قطعہ دویم

از عنایات کریم و کار سازِ دوجہاں
شاہِ گردوں امتثال و خسرو ہندوستاں
بے نظیر و بے عدیل و بے مثال و بے بدل
ناصر اعلم معین الدین ابوالفتح زماں
آیۂ رحمت بعالم ہست بہرِ جزو کل
تا ابد دارد خداوند دو عالم در اماں
روضۂ پاکِ شہیدِ کربلا تعمیر ساخت
اہتمام او بدل کردہ عظیم اللّٰہ خاں
صحن جنت نہر کوثر نخل طوبیٰ عرش باب
فی الحقیقت نیست در عالم نظیرش بیگماں
مسجد پر نور را کعبہ اگر گویم بجاست
ہست زمزم چاہ بہر مومنات و مومناں
بردرش خط سڑک گشتہ صراط المستقیم
بر زمیں پیدا شدہ گویا جواب کہکشاں
گفت تاریخش رضا بہر حضور پادشاہ
قبلۂ اوج کمال ومشہد ہندوستاں
۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۸ء

محمد علی شاہ نے اول مرتبہ بتاریخ ۲۵ نومبر ۱۸۳۸ء مبلغ سترہ لاکھ روپئے خزانہ ریزیڈنسی میں بطور قرض مدید جمع کر دیے جس کا سود بحساب چار روپیہ فیصد سالانہ قرار پا کر بادشاہ کے بعض اعزہ اور رشتہ داروں کے وثیقہ جاری ہوئے۔ اسی رقم سود میں ۱۶ فیصدی سے عظیم اللہ خاں کا وثیقہ بھی دوسو بائیس روپیہ آٹھ آنہ دس پائی ماہوار کا جاری ہوا۔ اس معاہدہ کی رو سے بادشاہ نے شرف الدولہ مظفر الملک محمد ابراہیم خاں بہادر مستقیم جنگ وزیر اعظم کو اور ان کے بعد ان کے ورثاء کو وکیل مقرر کیا کہ حسب ضرورت پنشن داروں کی طرف سے گفتگو کیا کریں اور خزانہ ریزیڈنسی سے پنشن بھی وصول کیا کریں اور عظیم اللہ خاں کے متعلق یہ خدمت کی کہ وہ پنشن داروں کو پنشن کا روپیہ تقسیم کیا کریں اگر کوئی شکایت کسی پنشن دار کو ہو تو معرفت وکیل مذکور ریزیڈنسی میں پیش کی جائے۔

۲۳ نومبر ۱۸۳۹ء کو بادشاہ نے دوبارہ بارہ لاکھ روپئے بہ تقرر سود چار روپیہ فیصدی سالانہ داخل خزانہ ریزیڈنسی کئے اس رقم کے منافع میں سے مسماۃ فضہ جبشن اور مسماۃ امامن ازواج عظیم

اللہ خاں کو بھی فی اسم پچاس روپیہ ماہوار بطور وثیقہ دیے گئے یعنی عظیم اللہ خاں اور ان کی بیویوں کے نام جملہ تین سو بائیس روپیہ دس آنہ آٹھ پائی ماہوار کا وثیقہ جاری ہوا جو اب تک ان کے ورثاء کو مل رہا ہے۔ اس امانت نامہ میں بادشاہ نے رفیق الدولہ اور عظیم اللہ خاں دونوں کو اپنا قدیم اور معتمد ملازم ظاہر کیا ہے اور دونوں کو ان کی زندگی بھر اور ان کے بعد ان کے ورثا کو داروغہ مسجد نامزد کیا ہے۔

علاوہ روضہ مذکور الصدر کے عظیم اللہ خاں نے ایک امام باڑہ بھی حسین آباد سے متصل تعمیر کرایا تھا جو اب تک شکستہ حالت میں موجود ہے اور ایک دومنزلی عالیشان کوٹھی قیصر باغ کے قریب بنوائی تھی۔ (قیصر التواریخ، جلد دوم) جس کو انہوں نے واجد علی شاہ کے ہاتھ چار لاکھ روپیہ کو فروخت کیا تھا اسی وجہ سے یہ کوٹھی چولکھی کوٹھی کے نام سے مشہور ہوئی تھی۔ واجد علی شاہ نے اس کا نام معشوق منزل رکھا تھا۔ بعد ضبطی سلطنت یہ کوٹھی ایک ساہوجی نے بارہ ہزار روپیہ میں خریدی، ان سے نواب والا قدر روز یر مرزا پسر کیواں قدر نے چالیس ہزار روپیہ کو خریدی اور ایک دوسری کوٹھی جو اس کے احاطہ میں تھی وہ راجہ منوا نے لی۔ مشہور ہے کہ مداریہ حقہ عظیم اللہ خاں کی ایجاد ہے، جس کو عظیم اللہ خانی حقہ بھی کہتے ہیں۔ پہلے محفل میں صرف گنتی کے چند حقے رکھے جاتے تھے جو دورہ میں سب حاضرین تک پہنچتے تھے۔ چو مداریہ حقہ بہت کم قیمت ہوتا تھا۔ اس وقت صرف پاؤ آنہ میں آتا تھا، اس لئے اس ایجاد سے یہ فائدہ ہوا کہ محفل میں ہر شخص کے سامنے ایک حقہ لگایا جانے لگا۔

۱۹ مئی ۱۸۴۲ء کو محمد علی شاہ کے انتقال پر ان کے فرزند حضرت امجد علی شاہ تخت سلطنت پر متمکن ہوئے، انہوں نے بقول سید کمال الدین حیدر (قیصر التواریخ) بہ سبب کدورت عناد ہائے زمان ماضیہ اور شکوہ ہائے درونی جو موقوف بر وقت خاص رکھے تھے۔ ایک مہینہ کئی دن کے بعد ۱۰ جمادی الثانی ۱۲۵۸ھ کو عظیم اللہ خاں اور ان کے پیش دست داروغہ عاشق علی کو موقوف کر کے ان کے بجائے امین الدولہ کے بھائی اعتبار الدولہ عطا حسین خاں کو مقرر کر دیا، ان کے پیش دست اہتمام الدولہ حیدر حسین خاں ہوئے جن کا پھاٹک چوک میں ابتک موجود ہے۔ عرصہ پانچ برس تک داروغہ عظیم اللہ خاں کا ستارۂ اقبال بہت آب وتاب سے چمکتا رہا اس کے بعد ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

عظیم اللہ خاں ۲۲ / جمادی الثانی ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۷ / اپریل ۱۸۴۹ء کو بزمانۂ شہریاری سلطان عالم واجد علی شاہ مرگ مفاجات سے کربلائے الماس علی خاں میں دفعتاً ملک عدم کو راہی ہو گئے اور اپنے تعمیر کردہ روضہ میں مدفون ہوئے ان کا وثیقہ و متروکہ ان کے ورثہ کو ملا۔ (فسانۂ عبرت)

محمد علی شاہ کے زمانہ تک کل حجام سنی المذہب تھے مگر عظیم اللہ خاں نے اپنا آبائی مذہب ترک کر کے امامیہ مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اس وقت سے حجاموں میں دو گروہ ہو گئے پہلے آپس میں میل جول تھا اور دونوں فرقوں میں شادی بیاہ بھی ہوتے تھے مگر جب سے لکھنؤ کی فضا خراب ہوئی اس قوم میں بھی شیعہ سنیوں میں شادی بیاہ موقوف ہو گئے۔

ماخوذ از ماہنامہ الواعظ لکھنؤ رمضان ۱۳۶۵ھ / اگست ۱۹۴۶ء ص ۱۴ تا ۱۹ /

کربلائے نواب رفیق الدولہ

اس کربلا میں حضرت عباس علیہ السلام کا روضہ ہے جس کو سید امام علی المخاطب بہ رفیق الدولہ نے محلہ ٹھا کر گنج کے آگے کاکوری کے راستہ میں تعمیر کرایا تھا۔ پوری عمارت اینٹ چونے کی بنی ہوئی ہے، روضہ کے چاروں طرف غلام گردش کی صحنچیاں ہیں۔ داخلہ ایک شاندار پھاٹک کے ذریعہ ہوتا ہے جو سڑک کی طرف واقع ہے۔ روضہ کے اندرونی جانب رواق وسطی حصہ میں سفید دیواروں ومحراب دار چھتوں پر نہایت خوشنما گلدستہ، قدرتی مناظر جدولیں بیلیں مختلف رنگوں کے تال میل سے بنائی گئی ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ روضہ کے اوپر ایک خشتی گنبد ہے جس کے دونوں جانب دو منارہ بنے ہوئے ہیں۔ اب پوری عمارت بشمول روضہ قابل مرمت ہو رہی ہے بلکہ بعض بیرونی حصے

منہدم بھی ہو چکے ہیں۔ آراضی جس پر یہ روضہ تعمیر ہوا ہے عطیہ شاہی تھی، بعد تعمیر عمارت یہ مقام عباس باغ مشہور ہو گیا۔

میر امام علی نواب محمد علی خاں نصیر الدولہ پسر نواب سعادت علی خاں کے قدیمی رفیق تھے، ۸ جولائی ۱۸۳۷ء کو جب نصیر الدولہ بعد انتقال نصیر الدین حیدر بادشاہ تخت سلطنت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے محمد علی شاہ کا لقب اختیار کر کے میر امام علی کو رفیق الدولہ کا خطاب اور مندیل مرحمت کی جو داخل خلعت وزارت تھی، سید کمال الدین حیدر مصنف قیصر التواریخ ناقل ہیں۔ اگر بادشاہ میر امام علی کو صاحب لیاقت سمجھتے عہدۂ وزارت ملنا بھی ممکن تھا ہر چند وہ خود کہتے تھے میں نے قبول نہ کیا، یہ فقط کہنے کا تھا۔ اکثر سخنان مسخرگی سے بادشاہ کو خوش کرتے تھے۔ انہوں نے بہت سا سلوک کیا، ساری پوشاک سرما و گرما جو جلوس سے پیشتر کی تھی سب انہیں عنایت فرمائی تھیں، اور اکثر فرماتے تھے جس قدر میرا دل سلوک چاہتا ہے میرے ہاتھ نہیں دیتے۔ بضرورت احکام شاہی شاہزادوں وشہزادیوں کو بھی پہنچاتے تھے، خلعت ملتا تھا، عتبات عالیات خانہ کعبہ جتنا روپیہ جاتا تھا انہیں کے واسطہ سے معرفت مجتہد العصر جاتا تھا، مگر کہا جاتا ہے کہ باوجود اس ثروت ناپائدار و مستعار سے اس مدت میں ان سے کوئی فائدہ نہ ہوا جو مزرعہ آخرت ہوتا۔

منشی رام سہائے تمنا بھی رفیق الدولہ کے واقعات زندگی پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے افضل التواریخ میں تحریر کرتے ہیں۔

تعمیل فرمائش شہزادگان ان کے متعلق رہی۔ وہ کارکنان امام باڑہ حسین آباد کے افسر بھی تھے۔ بروقت چائے پانی کرسی رفیق الدولہ کے برابر رکھی جاتی تھی۔ محمد علی شاہ کا ہاتھ بوجہ ضعف و پیری یا کسی عارضہ کے لئے بے قابو تھا۔ کھانا بھی اپنے ہاتھ سے کھلاتے تھے اور شب کو داستان سنانا معمول تھا، غرضیکہ بدرجۂ غایت عزیز بادشاہ وقت تھے ان کو یاوری طالع سے بہت کچھ دولت و ثروت حاصل ہوئی مگر مثل چاہ بے آب اس کی ذات سے کوئی بہرہ ور نہ ہوا اور ہر شخص ناراضامند رہا۔

عہد برجیس قدر میں بدمعاشوں نے ایک لاکھ روپیہ رفیق الدولہ کو بھی ڈرا دھمکا کر وصول کیا۔ انہوں نے امام باڑہ حسین آباد کے نوٹ فروخت کر کے ادا کیا۔ اسی سبب سے نواب گورنر جنرل نے اہتمام حسین آباد نواب محسن الدولہ و نواب ممتاز الدولہ کو از روئے استحقاق سپرد کر دیا۔

۱۱ ربیع الثانی ۱۲۷۸ھ میں رفیق الدولہ نے مرض اسہال سے انتقال کیا اور اپنے تعمیر کردہ روضہ کی رواق میں دفن ہوئے قبر پر قطعۂ تاریخ مندرجۂ ذیل لگا ہوا ہے۔

چوں یازدھم شد ز ربیع الثانی
رفتہ ز جہاں وائے رفیق الدولہ
تاریخ غم رحلت او کیواں گفت
شد قصر جناں جائے رفیق الدولہ

۱۲۷۸ھ

۲۳ رنومبر ۱۸۳۹ء کو حضرت محمد علی شاہ نے بارہ لاکھ روپیہ بہ تقرر سود ۴ ر فیصدی ماہوار ایسٹ انڈیا کمپنی میں جمع کئے، جن کا ماہانا سود چار ہزار روپیہ ہوتا ہے اس رقم سود میں سے منجملہ دوسروں کے رفیق الدولہ کو ماہوار اور ان کے بیٹے ضیغم الدولہ محمد تقی علی خاں کو بھی ماہوار بطور وثیقہ دیئے گئے، جو ان کے ورثاء کو اب تک وصول ہو رہے ہیں۔ اس دستاویز امانت نامہ میں بادشاہ نے رفیق الدولہ کو اپنا خادم دیرینہ، ملازم معتمد اور داروغہ مسجد ظاہر کیا ہے۔۔

رفیق الدولہ کے پانچ بیٹے (۱) ضیغم الدولہ محمد تقی علی خاں عرف نواب بندگا، (۲) سید علی خاں، (۳) جعفر علی خاں، (۴) ذکی علی خاں، (۵) ہادی علی خاں جن کو پتنگ بازی کا بہت شوق تھا اور چار بیٹیاں بیگمہ بیگم، سیدہ بیگم، نورذری بیگم اور ستارہ بیگم تھیں۔ بعد انتقال رفیق الدولہ ان کے ہر بیٹے کو تین لاکھ اور ہر بیٹی کو ڈیڑھ لاکھ روپیہ نقد دیگر جائداد ان کو ترکہ میں ملا مگر بیٹوں نے کل روپیہ لاپروائی سے بہت جلد اڑا ڈالا۔

محمد علی شاہ کے زمانہ میں صرف نواب بندگا پیدا ہوئے

تھے اس لئے صرف انہیں کا وثیقہ جاری ہوا۔نواب بندگا کا دماغ خراب تھا، لوگ ان سے کہتے تھے ''نواب بندگا عرض ہے، اس کے جواب میں وہ کہتے تھے بندگا، بندگا، اسی سبب سے نواب بندگا کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔

تخت نشینی کے بعد محمد علی شاہ نے رفیق الدولہ سے فرمایا کہ اپنے بیٹے کو کبھی نہیں لائے۔ رفیق الدولہ نے عرض کیا قبلۂ عالم اس کا دماغ خراب ہے، حضوری کے قابل نہیں۔ مگر بادشاہ کے اصرار پر ایک روز رفیق الدولہ نواب بندگا کو سکھا پڑھا کر دربار لے گئے، جب بادشاہ کے حضور میں پہنچے تو حسب دستور نواب نے چند اشرفیاں نواب بندگا کے ہاتھ پر نذر دکھانے کو رکھ دیں اور خود ساتھ ہو کر اشرفیوں والا ہاتھ بادشاہ کے روبرو نذر پیش کرنے کو بڑھا دیا۔ مگر جیسے ہی بادشاہ نے نذر پر ہاتھ رکھنے کو دست راست بڑھایا کہ نواب بندگا نے گالی دیکر کہا۔۔۔۔لے لیگا فوراً ہاتھ سمیٹ لیا اس پر رفیق الدولہ مارے خوف کے تھرتھر کانپنے لگے اور کہا فدوی نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ وہ حاضری کے قابل نہیں مگر بادشاہ نے یہ فرمایا کہ اگر وہ پاگل ہے تو میں تو پاگل نہیں ہوں رفیق الدولہ کی تسلی کر دی اور علاوہ سات پارچہ کے بیش قیمت خلعت کے ایک رقم کثیر جو سوا لاکھ روپیہ بیان کی جاتی ہے نواب بندگا کو مٹھائی کھانے کو عطا کی۔

نواب باقر علی خاں صاحب عرف نواب جانی صاحب کی عنایت سے جو نواب رفیق الدولہ کے پوتے اور نواب جعفر علی خاں صاحب کے بیٹے ہیں نواب بندگا کی عالم ضعیفی کی عکسی تصویر دیکھنے میں آئی۔ چہرہ کتابی، رنگت گوری اور خط بنا ہوا ہے سر پر پٹے سر اور مونچھوں کے بال سفید ہیں، قد لمبا، جسم دبلا پتلا سر پر دوپلی ٹوپی گلے میں انگرکھا اس کے نیچے ڈھیلے پائچوں کا پائجامہ پہنے ہیں ایک لڑکی اور تین لڑکے محمد علی خاں، امجد علی خاں اور افضل علی خان عرف نواب فضل مشہور کنکوّے باز نواب بندگا کی طرف منسوب کئے جاتے تھے مگر سب کے سب ناجائز قرار دے دیئے گئے۔

نواب جعفر علی خاں نے اپنے حصہ کی جائداد مقدمہ بازی میں تلف کر دی۔ پہلے بیت عیش وعشرت سے زندگی آخر میں سہ پہیہ سائیکل پر سوار ہوتے تھے، رنگ گندمی، جسم لمبا اور دبلا، کھڑا نقشہ، سر پر انگریزی وضع کے بال جس پر سنہرے فیتے کی گول جرنیلی ٹوپی استعمال کرتے تھے۔ گلے میں عموماً سیاہ ترکی کوٹ مع کالر ٹائی ہوتا، جس کے نیچے پتلون پہنتے تھے۔ یہ فری میسن بھی تھے اور مصنوعی دانتوں کے چوکے خوب بناتے تھے، ۱۲ دسمبر ۱۹۳۰ء کو انتقال کیا اور والد کے بنوائے ہوئے روضہ کے اندر دفن ہوئے۔

(الواعظ کے محترم مضمون نگار نے تاریخ کی روشنی میں رفیق الدولہ سے یہ شکوہ کیا ہے کہ انہوں نے کوئی کام ایسا نہ کیا جو مزرعۂ آخرت ہوتا، بیشک یہ مقتدر حضرات جو کچھ بھی نہ کرتے وہ کم تھا، لیکن کربلا کی عمارت ان کے باقیات الصالحات میں ضرور شمار کی جاسکتی ہے۔ یہ کربلا رفیق الدولہ نے اپنے جائے قیام سے بہت دور تعمیر کی۔ ان کا مکان کشمیری محلہ درگاہ حضرت عباسؑ پر آج تک موجود ہے۔ سلطنت اودھ سے رفیق الدولہ خطاب حاصل ہونے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ محمد علی شاہ اودھ اپنے ابتدائی دور میں درگاہ حضرت عباسؑ زیارت کے لئے جارہے تھے۔ راستہ میں اچانک ٹھہرنا پڑا اور میر امام علی صاحب کے معروضہ پر انہیں کے زنانہ مکان میں رفع حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ جب چوکی پر سے برآمد ہوئے تو احسان یاد رکھنے کے لئے نام نوٹ کر لیا اور جب تخت سلطنت پر متمکن ہوئے تو اس ہمدردی کے عوض میں رفیق الدولہ کا خطاب دیا۔ یہ ہے سلطنت اودھ کی فیاضی اور هل جزاء الاحسان الاّ الاحسان پر عمل۔ (سورۂ رحمٰن)

نواب محمد جعفر علی خاں صاحب جب تک حیات رہے کربلا ایک حد تک آباد تھی، مرحوم آخر تک ہر مہینہ کی نوچندی کو ایک مجلس کرتے تھے جس میں تبرک کی جگہ پیسے تقسیم کرتے تھے ان کے علاوہ بھی مرحوم کا ابر کرم نادار طبقہ میں بلا تفریق مذہب وملت

(برستا رہتا تھا) بعض اوقات انہوں نے وکٹوریہ پارک کے قریب پہنچ کر کثیر خیرات کی۔)

ماخوذ از ماہنامہ الواعظ، لکھنؤ جمادی الآخر، رجب، شعبان ۱۳۶۴ھ/مئی، جون وجولائی ۱۹۴۵ء ص/۴ تا ۷/

کربلائے منشی فضل حسین

یہ کربلا وکٹوریہ اسٹریٹ پر شاہ نصیرالدین حیدر کے شاہی اسپتال سے تھوڑے فاصلہ پر کربلائے تالکٹورہ کو جاتے ہوئے سڑک کے داہنی جانب ملتی ہے۔ اس میں حضرت مسلمؑ کے صاحبزادوں کے روضہ کی نقل بنائی گئی ہے۔ مشہور ہے کہ یہ عمارت اصلی روضہ واقع مسیب عراق عرب سے بہت مشابہ ہے۔ اس میں دو حجرے پہلو بہ پہلو واقع ہیں جن کے اوپر دو قبے پاس پاس بنے ہوئے ہیں۔ داخلہ کے پھاٹک کے سامنے ہی چہار دیواری کے اندر ایک مسجد بھی ہے۔ یہ روضہ منشی فضل حسین نے ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۷ء) میں تعمیر کرایا تھا۔ تاریخ تعمیر درج ذیل ہے۔

مقام دلکش از فضلِ حسین است
دہد ہر مومن را یاد مسلم
نو شتم سالِ تاریخ بنایش
بود ایں روضۂ اولادِ مسلم

منشی فضل حسین عہد دولت سلطان عالم واجد علی شاہ میں دفتر بخشی گری میں منشیوں میں ملازم تھے۔ بعد انتزاع سلطنت نواب سر محسن الدولہ کے یہاں کارپرداز رہے پھر بعد ہنگامۂ غدر ۱۸۵۷ء حسین آباد ٹرسٹ میں کسی اعلیٰ منصب پر فائز رہے۔ کربلا کے علاوہ ان کی ایک کوٹھی وکٹوریہ گنج میں تھی جس کے سامنے ہی بازار لگتا تھا اور ایک مکان شاہ پیر محمد صاحب کے ٹیلہ پر تھا۔

موصوف کا قد میانہ، رنگت سانولی کھلتی ہوئی، چہرہ پر خشخشی داڑھی، سیاہ گول ٹوپی، اچکن عموماً استعمال کرتے تھے، پالکی گاڑی وجوڑی پر نکلتے تھے۔ بابو برج بھوکن لال سکریٹری کے زمانے میں حسین آباد میں ملازم تھے انہوں نے ۱۳۱۰ھ، ۱۸۹۱ء میں انتقال کیا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے ورثاء نے کربلا مع آراضی وکوٹھی قاضی نصیرالدین سکنہ موہان کے ہاتھ فروخت کردی۔ ان سے یہ کوٹھی خان بہادر مولوی نہال الدین ڈپٹی کلکٹر پنشن یافتہ نے خریدی اب انہیں کے ورثاء کوٹھی پر مالکانہ قابض ہیں۔ ٹیلہ والا مکان بزمانہ غدر منہدم ہوگیا۔ منشی فضل حسین اپنے بنا کردہ روضہ میں موت کی میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ تاریخ وفات حسب ذیل ہے۔

ذی منش، ذی وقار منشی فضل
از حسین اول آر منشی فضل
حاجی و زائر و سفیر و ذہین
خاں بہادر بکار منشی فضل
بود شیدائے مسلمین حسین
شد فدا بار بار منشی فضل
بست و چارم رجب بشام آخر
ہست زیب مزار منشی فضل
شد سریع الحساب ایں تاریخ
گشت سال از شمار منشی فضل

(ایڈیٹر الواعظ) محترم مضمون نگار کے اس بلند پایہ مضمون سے یہ تازہ انکشاف ہوا کہ کربلائے منشی فضل حسین خاں مرحوم ''پسران مسلمؑ کا روضہ'' ہے۔ ہم نے الواعظ کے گذشتہ صفحات اور اپنی کتاب سوانح عمری حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ میں لکھا ہے کہ یہ روضہ حضرت مسلمؑ کا ہے مضمون بالا دیکھنے کے بعد ہم اپنی رائے واپس لیتے ہیں اور ناظرین سے سفارش کرتے ہیں کہ غلط فہمی کی تصحیح کرلیں۔)

ماخوذ از ماہنامہ الواعظ لکھنؤ رمضان المبارک
۱۳۶۴ھ/اگست ۱۹۴۵ء ص۲۶/۲۷

